ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

ماخذ تحقیقی مجلہ

ڈاکٹر محمد کامران شہزاد
لیکچرار شعبۂ اُردو، پنجاب کالج سرگودھا
ڈاکٹر نعیمہ بی بی
ٹیچنگ اینڈ ریسرچ ایسوسی ایٹ شعبۂ اُردو، بین الاقوامی اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد

"گراں" تین تہذیبوں کا نمائندہ ناول

Dr . Muhammad Kamran Shahzad
Lecturer, Punjab College Sargodha.
Dr . Naeema Bibi
Teaching and Research Department of Urdu, International Islamic University Islamabad.

Novel "Gran"The representative of Three Civilizations

In the novel Garaan by Tahira Iqbal, the theme of Potohar and British society and tradition has been portrayed. In the Rural culture of Potohar, the engagements of the children by the elders of the tribes, then waiting for the fiances and the marriages of the boys to educated girls, have been narrated in detail. Moreover; the life style of the young people, going to Britain from potohar has been discussed minutely. Along with all these themes, the change in the lifestyle of the potohar society after gaining the wealth and then shifting of the eastern girl to The Britain maintaining her eastern values, have also been illustrated primarily. In the lasst of the novel, the Arab culture and tradition has also been discussed in detail.

Keywords: *Potohari Tradition, Western civilization, Arabic culture.*

تہذیب انسانی شخصیت کا ایسا نظامِ فکر ہے، جس کے تحت وہ اپنے عقائد، نظریات اور افکار کا اظہار کرتا ہے۔ انہی عناصر کی مدد سے انسان کی شخصیت بنتی اور سنورتی ہے۔ چونکہ تہذیب کا تعلق انسان کے ذہن اور اس کے فکر وخیال سے ہوتا ہے اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ تہذیب کی کیفیت نظریاتی، فکری، روحانی اور غیر مادی ہوتی

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

ہے[۱]۔ مختلف اہل فکر حضرات نے اپنے اپنے خیالات کے مطابق تہذیب کی تعریف کی ہے۔ڈاکٹر غلام جیلانی برق لکھتے ہیں:

"ثقافت کا تعلق علوم و فنون سے ہے۔ تمدن کا عمارات و باغات سے، کلچر کا دانش، ذہنی تصورات اور ایمانیات سے اور تہذیب ایک چیز ہے۔ ان تینوں پہ حاوی"[۲]

دنیا کی ہر قوم کی زبان میں اس کی تاریخ اور ثقافت کا عکس نظر آتا ہے۔ زبان کا غائر مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ زبان میں ،جو محاورات ،استعارات اور تلمیحات کا ذکر ملتا ہے ۔ان میں اپنے ماحول، فضا ، تاریخ، پھولوں ، پرندوں، دریاؤں اور پہاڑوں کا ذکر ملتا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو ڈاکٹر طاہرہ اقبال کے ناولوں میں زبان کے ساتھ ساتھ تاریخ اور ثقافت کے علاوہ تہذیب کا انعکاس مکمل حالت میں اپنے جلوے بکھیرتا نظر آتا ہے۔

"گراں" ڈاکٹر طاہرہ اقبال کا دوسرا ناول ہے۔ جسے ۲۰۱۹ء میں دوست پبلی کیشنز نے اسلام آباد سے شایع کیا۔اس سے قبل ان کا پہلا ناول "نیلی بار" کے عنوان سے شایع ہو چکا تھا، جو کہ وسیع کینوس کا ناول ہے جبکہ "گراں" کا کینوس مختصر ہے اور موضوع بھی ممتاز حیثیت رکھتا ہے ۔ ناول میں مصنفہ نے جہاں پوٹھواری ثقافت کا عکس دکھایا ہے۔ وہیں عورت کے کردار کے مختلف روپ آشکار کرنے کی سعی کی ہے۔اسی تناظر میں انھوں نے مختلف معاشروں اور تہذیبوں کی عکاسی کی ہے۔ناول تین حصوں پر مشتمل ہے۔پہلے حصے میں ناول نگار نے پوٹھوار کی معاشرت اور تہذیب کو لفظی پیرہن عطا کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس معاشرت اور تہذیب کے تمام رنگوں کو اس طرح قلم بند کیا ہے کہ وہ تمام مناظر زندہ جاوید ہو کر ہماری نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہو گئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے قاری کو ناول میں اتنا محو کیا ہے کہ وہ ان تمام مناظر کو ان کی رنگینی اور سنگینی سمیت قبول کرتا ہے اور ان تمام مناظر کا حصہ بن جاتا ہے۔

ناول کے پہلے حصے میں پوٹھوار کے خطے میں زیست بسر کرتی خواتین کی کہانی قلم بند کی ہے۔۔اس کہانی کے نمایاں کرداروں میں شکیلہ جان، زرینہ جان، صنوبر جان، محمد جان اور جھلی میرن شامل ہیں۔ شکیلہ جان اکبر خان کی منگیتر ہے، جو فوجی ہے اور پڑھا لکھا ہے۔ چونکہ شکیلہ جان ان پڑھ گنوار ہے اس لیے وہ اس کو قبول نہیں کرتا اور فوج کے ایک کرنل کی بیٹی سے شادی کر لیتا ہے۔ شکیلہ اکبر خان سے محبت کرتی ہے اور جدائی کا روگ دل میں پالتی ہے۔ اکبر خان اکثر خیبر میل کے ذریعے گاؤں آیا کرتا تھا۔ چونکہ وہ اب کافی عرصہ سے نہیں آیا اس لیے شکیلہ گاؤں

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

کے اسٹیشن پر خیبر میل کا انتظار کرتی رہتی ہے جو اسٹیشن پر رُکے بغیر ہی گزر جاتی تھی۔ ریل کے گزرنے اور شکیلہ جان کے انتظار کی بھٹی میں جلنے کے منظر کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"کراچی سے آنے والی تیز گام نے پہاڑی سلسلوں میں ارتعاش مچا دیا۔ شکیلہ جان ناہموار زینے ٹاپتی جب تک چھت کے بنیرے پر پہنچی، نان سٹاپ ریل گاڑی اس قصباتی ریلوے اسٹیشن پر رکے بغیر چھک چھک چھان چھان گزر گئی۔ شکیلہ جان کے دل کی طرح لرزتی دہلتی پٹڑیاں تا دیر سَن سَن بجتی رہیں۔ جن کے سینے سے آہوں سا دھواں اُٹھتا تھا"(۳)

توہم پرستی گاؤں دیہات کی معاشرت کا ایک اہم حصہ ہے علاوہ ازیں جن، پریاں، دیو، بھوت وغیرہ لوک داستانوں میں غیر مرئی کرداروں کے حوالے سے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ طاہرہ اقبال نے گاؤں والوں کے اس اعتقاد کو بھی کمال خوبی سے ناول کے بیانیے کا حصہ بنایا ہے اس حوالے سے ان کی لفاظی کا جواب نہیں۔ اس اقتباس کو پڑھنے سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے تمام مناظر جیتے جاگتے آنکھوں کے سامنے پھر رہے ہیں:

" میلوں گہرے کسوں، نشیبوں، اترائیوں اور کوسوں بلند تیکھی دندیوں اور چوٹیوں پر چڑھ پر بیٹھی آسیب زدہ تاریکی کو چیرتی تیز گام، کوکتی چنگھاڑتی ہوئی کسوں پہاڑوں میں رات بھر بجنے والے جنات کے ڈھول باجوں کے ردم کو لپیٹ لے گئی۔ سوئے ہوئے جاگے۔ چولہوں پر دھرے گرم پانی کے تسلوں سے لوٹے بھر عورتیں لڑی (نیشب) میں اتر گئیں اور مرد مسجد کو چلے گئے "(۴)

مصنفہ نے مکھن بلوتی خانماں جان، گوبر کے اُپلے تھاپتی تائی بختو اور نو دس برس کی زینب کا مرغیوں کے ڈربہ کو کھولنے کے عمل کی عکس بندی بھی اس خوبصورتی سے کی ہے کہ تمام مناظر متحرک ہو گئے ہیں۔

دیہاتی عورتوں میں وفا کا مادہ کوٹ کوٹ کے بھرا ہوتا ہے۔ اس تناظر میں زرینہ جان کا کردار طاہرہ اقبال نے عمدگی سے تخلیق کیا ہے۔ اس کا منگیتر جو فوج میں ملازم تھا، واپس گھر آتے ہوئے کراچی کی سڑکوں پر حادثے کا شکار ہو گیا۔ جب اس کی میت آتی ہے تو وہ اس کی قبر پر مجاور بن کر بیٹھ گئی اور اپنی ساری زندگی گزار دی۔ زرینہ کو قبر پر بیٹھے دیکھ کر پاس سے گزرتی عورتوں نے جو گفتگو کی اور کافی عرصہ قبل پیش آنے والے واقعے کا تذکرہ جس طرح

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

کیا۔اس کو بھی طاہرہ اقبال نے اپنے دیہاتی کلچر میں گندھے اسلوب کے ذریعے پیش کیا ہے اور پوٹھوار کی معاشرت اور تہذیب کے مختلف رنگ پوری آب و تاب کے ساتھ قاری کے ذہن و دل میں اجاگر ہوئے ہیں۔

زرینہ جان اور میر حسن کے قصے کے ساتھ شکیلہ جان اور ریل کی آمد کے منظر کو کمال ہنر مندی کے ساتھ مصنفہ نے یوں جوڑا ہے کہ کہیں کوئی خلا نہیں رہا۔اس کے ساتھ ساتھ اس علاقے کے مختلف مناظر کی منظر کشی یوں کی کہ قاری انہی مناظر میں محو ہو جاتا ہے۔اس ضمن میں یہ منظر ملاحظہ کیجیے:

> "پانی رچ رچ کر پتھروں میں سے کائی پھوٹ نکلی تھی۔ سطح مرتفع پوٹھوار کے نقشوں جیسے ہرے لجلجے مخملیں جالے لٹک رہے تھے۔پتھروں کی دراڑوں سے نکلے چھوٹے چھوتے پیپل، شہتوت، پالا کھائے پیڑ راکھ ہو چکے تھے لیکم پت جھڑ میں ابھی دن باقی تھے۔پرلی پہاڑی چوٹی پر سیاہ پتھروں کے چنائی والے مکان کی چھت کے بنیرے سے چکیلہ جان کی سیاہ بکل ابھری خیبر میل ایک ہنگامے کے ساتھ گزر گئی"(۵)

ناول میں ایک کردار "جھلی میرن" کا ہے، جس کی منگنی فوجی عبدل سے ہوئی۔جو جنگ میں لاپتہ ہو گیا تھا اور میرن اس کا انتظار کرتی رہتی ہے۔وہ گاؤں کی دیگر عورتوں کے ساتھ جو مکالمہ کرتی ہے۔اس میں ہجر کا کرب پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔وہیں دیہاتی عورتوں کی محبوب کے غم میں سدھ بدھ کے کھو جانے کا اعلامیہ بھی ہے۔یہ چند جملے ملاحظہ کیجیے:

> "سارے گراں کی گائیں بھینسیں ہانکتی لیر ولیر تلوے، میل اور جوؤں سے جڑی جٹائیں بکھیرے جھلی میرن تیر سی چوٹی سے کوکتی ہوئی اتری۔ہندوستان نی قید اچوں چھٹ آسن ٹیلی فون آیا جرنیل صاحب نا"(۶)

طاہرہ اقبال نے جنات کا ذکر بھی کیا ہے۔وبا کے دیہاتوں میں پھیل جانے اور ہزاروں انسانوں کے مر جانے کا نوحہ دردمندی سے پڑھا ہے تو ساتھ میں کسوں میں گزر بسر کرنے والے جنات کی کربناک موت کا المیہ بھی بیان کیا ہے۔اسی تناظر میں مرنے والے جنوں کی بیویوں کے بینوں اور رونے پیٹنے کا منظر بھی چشم کشا ہے۔وبا میں مرنے والے انسانوں کی بدبو سے مزید پھیلتی بیماریوں کا تذکرہ کیا ہے۔

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

تقسیم سے قبل کے پوٹھوار کی زندہ جاوید تہذیب کا بیان بھی دلفریب ہے۔ "خزان سنگھ "جو دکان دار ہے۔ غریب پرور ہے۔ سارے علاقے کا خیال رکھتا ہے لیکن تقسیم کے المیے میں اس غریب کی دکان کو بھی بے دردی کے ساتھ لوٹ لیا گیا۔ لوٹنے والے اپنے ہی گاؤں کے لوگ تھے، جن پر اس کے متعدد احسانات تھے۔ بڑے باوا جی خزان سنگھ سمیت تمام سکھوں کو نا صرف باحفاظت پنڈی چھوڑ کر آئے بلکہ لوٹا ہوا سارا مال بھی تلاش کروا کر واپس بھی کروایا تھا۔ ناول کا یہ حصہ پوٹھوار کی مہمان نوازی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

پوٹھوار کی تہذیب کا نرالا رنگ وفا شعاری ہے۔ جس کی زندہ مثال ناول میں نسوانی کردار شکیلہ جان ،زرینہ جان اور جھلی میرن ہے۔ جو روایات کی پاسداری کا خیال رکھتے ہوئے اپنے نام سے منسوب مردوں کے نام پر زندگی تو گزار دیتی ہے لیکن کسی دوسرے مرد کا تصور بھی ذہن میں نہیں لاتی۔ جیسے کہ زرینہ جان کو خود اس کی ساس نے شادی کا کہا لیکن وہ انکار کر دیتی ہے۔ اقتباس ملاحظہ کریں:

> "ایک بار جو نام ساتھ جڑ گیا۔ بس جڑ گیا۔ یہ تو پوٹھوار کی ریت ہی نہیں توبہ توبہ !اک واری جیہڑی منگی گئی مرد دیکھا کہ نہ دیکھا بس اسی کے نام لڑ لگ عمر گزار دی"(۷)

اسی تہذیب کا ایک رنگ یہ بھی ہے کہ رات کو لڑکیاں لالٹین اور لیمپ کی روشنی میں اپنے منگیتروں، چچازاد، خالہ زاد اور اپنے بھائیوں کے نام کے سویٹر بنتی رہتی تھیں۔

ہجر کی آگ میں جلتی اپنی نوخیز جوانی کو جلاتی شکیلہ کی بے بسی اور انتظار کی سولی پر لٹکتے رہنے کی کہانی کو اس اقتباس میں ملاحظہ کیجیے:

> "عید ،شب رات چھت پر بھی مسافر چپکے ہوتے لیکن شکیلہ کے اندر ہوک سی اٹھتی۔ ہر ڈبہ خالی کسی میں کوئی بھی نہیں۔ کیوں چلاتے ہیں یہ گاڑیاں، جب کوئی چڑھتا ہی نہیں۔۔۔۔۔۔ کراچی ، کوئٹہ سے آنے والی ہر گاڑی یہاں سے گزرتی تھی لیکن وہ گاڑی کبھی نہیں آتی ۔ جس کے انتظار میں شکیلہ جان سیٹیاں بجاتی اور ہری جھنڈیاں ہلاتی،"(۸)

کہر بہت زیادہ پڑنے کی وجہ سے گندم کی فصل تباہ ہوئی تو گاؤں والوں پر مصیبت آن پڑی۔ جانوروں کو اونے پونے فروخت کرنا پڑا۔ متعدد جانور قحط سالی کے سبب مر گئے۔ اس صورتِ حال میں وہاں کے مقامی شعرا نے

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

درد و غم سے لبریز اشعار کہے تو دوسری طرف عورتوں نے روزے رکھے اور قرآن مجید کا ختم کرایا۔ تیسرا عمل چوئے پر کھڑی بکائن ہے جو منت کی ٹاکیوں سے بھر گئی یعنی پوٹھوار کی ثقافت کے جتنے بھی رنگ ہیں،۔ طاہرہ اقبال نے ان تمام رنگوں کا عکس اپنے قاری کو باریک بینی سے دکھایا ہے۔

طاہرہ اقبال کا کمال یہ ہے کہ وہ آزاد تلازمہ خیال کی تکنیک کو ہنر مندی سے برتتی ہیں۔ حال کی بات کرت ہوئے اچانک ماضی کی طرف رجوع کرتی ہیں اور تقسیم ہند سے قبل باوا حزان سنگھ کی دکان کا تذکرہ چھیڑ دیتی ہیں، جو سخی تھا اور بچیوں کو مفت میں مونگ پھلی دے دیتا تھا۔ اس دور میں اس خطے کی معاشرت ایسی تھی کہ ہندو، سنگھ اور مسلمان ایک ہی محلے میں نہ صرف اکھٹے رہتے تھے بلکہ ایک دوسرے کے گھروں میں کھانے بجھوائے جاتے تھے۔ ماضی کو یاد کر کے گاؤں کی عورتوں کا رونا پیٹنا اور پرانے وقتوں میں بھائی بنگلے میں انگریز افسروں کی آمد پر ان کی خاطر مدارت کرنے کی کہانی کو بھی خوب صورت انداز میں پیش کیا ہے۔

پوٹھوار وسیب کے دیہی کلچر کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ خاندانی نظام میں چھوٹے، بڑے اور بزرگ سب ہی شرم وحیا کا پیکر ہوتے ہیں، جس کی عمدہ مثال میاں بیوی کی ہے، جو دن کی روشنی میں آپس میں بات تک نہیں کرتے۔ علاوہ ازیں مرد حضرات بھی زنانہ حصے میں نہیں آتے تھے۔ مجبوری کی صورت میں کھانس کر اندر سے کسی کو بولا لیا جاتا تھا۔ مردوں کا گھروں میں سونے کا رواج نہ تھا۔ یہ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> "یہاں بیویاں شوہروں کی قبروں سے تو لپٹ کر رو لیتیں لیکن جیتے جاگتے شوہر کی طرف دیکھنا بھی بے شرمی کی بات تھا"(۹)

ناول کا ایک نسوانی کردار اکبر خان کی والدہ "محمد جان" کا ہے، جو سیدھی سادی سی بزرگ خاتون تھی۔ اکبر خان جب مکہ جاتا ہے وہاں سے والدین کے لیے تحائف بھیجتا ہے۔ شکیلہ جان سے منگنی توڑنے کے سبب باپ تو ناراض ہے لیکن ماں بیٹے کا تحفہ قبول کر لیتی ہے۔ یہ بھی اس تہذیب کا حصہ ہے کہ مکہ اور مدینہ متبرک ترین شہر ہیں۔ لہذا ان سے محبت دین اور معاشرت دونوں کا حصہ ہے:

> "ہائے کیا پتہ خانہ کعبہ کی خاک کا کوئی ذرہ اڑ کر اس پر لگا ہو۔۔۔۔۔ محمد جان تو خانہ کعبہ ک سر زمین سے آئے ہوئے ان ریشمی کپڑوں کو چوم چوم کر عورتوں کیو دکھانے لگی جیسے یہ کعبی شریف کے غلاف کی پاک کترنیں ہوں"(۱۰)

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

اصغر خان کے انگلینڈ جانے کے بعد پوٹھوار کی تہذیب تبدیل ہوتی ہے۔ناول نگار نے ان دونوں تہذیبوں کا انسلاک اتنی باریک بینی سے صفحہ قرطاس پر بکھیرا ہے کہ قاری اپنے آپ کو اس عہد میں محسوس کرتا ہے۔اصغر خان کی طرف سے پارسل اور منی آرڈر آنے کے بعد نہ صرف رویوں میں تبدیلی آئی بلکہ گھر بھی جدید طرز کے بنائے گئے اور ان گھروں میں روز مرہ استعمال ہونے والی اشیاء بھی نئی خرید لی گئیں۔اب گھر میں صوبیدار حاکم خان کے بجائے اس کی بیوی محمد جان کا حکم چلنے لگا یہاں ڈاکٹر طاہرہ اقبال نے دیہاتی عورتوں کی پست سوچ، بخیلی اور کنجوسی سے پردہ چاک کیا ہے۔اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> "مرد تو کوئی رہا نہیں گھر میں کسی چوگارِن پکا کے رکھوں۔ہائے کبھی عورتوں نے اس پوٹھوار میں دودھ چکھے جو اُبال کے رکھوں۔گھی شکر مرد کھاتے ہیں کس کے لیے روٹیاں چیڑوں۔۔۔ڈاکٹر نے دودھ کے ساتھ دوائی بتائی ہے ہائے کیوں پیوں، جیون جوگے پردیس جھیل کر کمائیں اور میں اُجاڑوں نہ کیوں اجاڑوں۔"(۱۱)

رفتہ رفتہ پوٹھوار کی تہذیب تبدیل ہو رہی تھی۔ جھلی میرن کے چرانے کو کوئی بھینس باقی نہ رہی تھی کیونکہ اب گھروں میں ڈبے کا دودھ استعمال ہوتا ہے۔سولہ سترہ برس کے نوعمر لڑکے سکول چھوڑ کر باہر کے ویزوں کے منتظر ہیں۔امپورٹڈ گھڑیاں اور عینکیں لگا کر چاندنی چوک اور راجہ بازار میں ون ویلنگ کرتے نظر آتے ہیں۔نازیہ پروین ناول کے متعلق رقم طراز ہیں:

> "گراں ایسا نوحہ ہے، جس میں ایک عہد کے مٹنے اور نئے عہد کے جنم کی دستک صاف سنائی دیتی ہے۔مصنفہ نے گراں کی صدیوں پرانی اونگھتی ہوئی نقب زنی کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے"(۱۲)

ناول میں دوسری تہذیب "انگلستان" کی ہے۔اس حصے میں نمایاں کرداروں میں اصغر خان اور اس کی بیٹی غزل جان کا ہے علاوہ ازیں باوا خزان کی بیٹی "جیسر کور" کا کردار بھی موجود ہے۔غزل جان کا مزاج مشرقی ہے اسی وجہ سے وہ مغربی تہذیب میں خود کو مدغم نہیں کر سکی۔مصنفہ نے غزل کے جین شرٹ پہنے ہوئے بے لباس کو عمدگی سے بیان کیا ہے۔متعدد پاکستانیوں، ہندوستانیوں بنگالیوں کے اس علاقے میں رہائش اختیار کرنے کے سبب وہ علاقہ چھوٹا برصغیر ہونے کی روداد بھی مبنی بر حقیقت ہے۔

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

طاہرہ اقبال نے انگلستان آنے والے ان افراد کی داستان بڑی درد مندی سے رقم کی ہے، جو وطن چھوڑ کر انگلینڈ آتو گئے لیکن چھپ کر زندگی گزارتے رہے۔ پکڑ دھکڑ سے بچتے رہے۔ بے روزگاری کی وجہ سے فاقے کرنے پڑے مشرقی اور مغربی تہذیبوں میں جو تفاوت ہے اس کا تذکرہ ناول نگار نے ان الفاظ میں کیا ہے:

"اُس کا جی چاہا چیخ کر کہے میں Shy نہیں ہوں۔ میرے کچھ اصول اور حد بندیاں ہیں، جو میری صدیوں پرانی معاشرت نے مجھ تک منتقل کی ہیں۔"(۱۳)

مغرب میں برگر اور چائنیز کھانے والی نوجوان لڑکیوں کا روایتی کھانوں اور زبان کا مذاق اڑاتیں اور تعصبانہ رویے کی عکاسی کی ہے۔ ان کے والدین کے انگلینڈ میں تیسرے درجے کے شہری کی حیثیت سے محنت مشقت کی سولی پر لٹکنے، پائی پائی جوڑ کر اپنے خاندان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بجھواتے ہیں لیکن ان کا بلند مقام مرتبہ اور عزت پانے کی کہانی طاہرہ اقبال نے حقیقت نگاری کے ذیل میں بیان کی ہے۔

ناول میں غزل جان کی تاج نامی مسافر کے ساتھ ملاقات ہوتی ہے، جو غزل کو گروپ میٹنگ میں لے جاتا ہے لیکن وہاں تمام لڑکوں لڑکیوں کو برہنہ دیکھ کر غزل وہاں سے بھاگ آتی ہے وہاں موجود تمام افراد رکاوٹ بھی نہیں بنتے ہیں مصنفہ نے جہاں مغربی معاشرت دکھائی ہے وہیں مشرق کے باسیوں کی فطرت بھی دکھائی کہ وہ مغرب میں کہیں کہیں برسوں سے رہنے کے باوجود مغربی ثقافت میں نہیں ڈھل سکتے ہیں۔

"اُس نے تکلیف اور ذلت کے احساس کو اپنے ہی گلے میں اُتار لیا۔ اپنے ہی وجواد میں کوڑے کی طرح ٹھونس لیا لیکن سفید چادر پر وہ گواہیاں ضرور لکھی گئیں۔ پرانی روایت کے ٹوٹنے کی خواہش میں مضطراب گراں بھر کی عورتیں دروازہ کھلتے ہی ریوڑ کی طرح اندر گسیں۔ سب کی نگاہیں داغدار چادر سے لپٹیں"(۱۴)

ناول میں پوٹھوار اور انگلینڈ کی تہذیب کی نمائندگی دو اور کرداروں اکرم اور نذیر کے ذریعے بھی کی گئی ہے۔ نذیر کے NZP بن جانے اور عیسائی لڑکی سے شادی ہو جانے کے بعد راہِ زیست کی کہانی ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"کچھ عرصہ بعد دونوں کتابیں غلط ملط ہونے لگیں کبھی بائبل اُوپر آجاتا تو میں آنکھ بچا کر قرآن پاک اوپر رکھ دیتا، جب قرآن مجید اوپر ہوتا تو کیرن ان کی ترتیب بدل دیتی۔"(۱۵)

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, 2021(Issue III, July to September)

ناول کے تیسرے حصے میں سرزمینِ عرب کی تہذیب کی منظر کشی کی گئی ہے۔ جہاں دنیا بھر سے ہزاروں افراد حج اور عمرہ کرنے آتے ہیں۔ علاوہ ازیں روزگار کی تلاش میں بھی کثیر تعداد میں پاکستانی موجود ہیں۔ سرزمین عرب کے حوالے سے یہ دکھایا گیا ہے کہ لوگ مہمان نواز ہیں۔ یہاں تک کہ جو لوگ پاکستان سے جاتے ہیں۔ وہ بھی ان کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں لیکن نئی نسل بامروت نہیں یہی وجہ ہے کہ غزل جان کے بچوں کو وہاں مصیبت میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔

عرب ملک میں عثمان کے آتشزدگی کا شکار ہونے کے بعد دو طرح کے مناظر سامنے آتے ہیں۔ غزل جان کی مشرقیت کھل کر سامنے آتی ہے اور وہ جو ساری عمر سمجھوتہ کرتی رہی اپنے شوہر سے نفرت کرتی رہی اس کو لاوارث نہ چھوڑ سکی اور اس کی سوختہ لاش کو بھی وہاں سے نکال لائی۔ مصنفہ نے ایک طرف غزل جان کی محبت دکھائی۔ دوسری طرف آخری صفحات میں غزل کے بڑے بیٹے تاج کے خیالات کو بھی عمدگی سے بیان کیا جو انگلستان واپس جانا چاہتا ہے تاکہ اپنی وہاں کی شہریت سے فائدہ اٹھا سکے۔ چنانچہ وہ اپنے مفاد کو دیکھتا ہے اور اپنی ماں کی پروا بھی نہیں کرتا۔

طاہرہ اقبال کا فنی کمال یہ ہے کہ انہوں نے پوٹھوار کی تہذیب کو تمام حقیقتوں کے ساتھ صفحہ قرطاس پر بکھیرا ہے۔ اس کے ساتھ مغربی تہذیب میں بسنے والے پاکستانیوں کے رویوں کے تبدیل ہونے کے ساتھ ان کی اولاد میں پیدا ہونے والا بگاڑ بھی دیکھایا ہے۔ مختصر یہ کہ ڈاکٹر طاہرہ اقبال نے "گراں" میں اپنے منفرد موضوع اور جاگتے کرداروں کے ذریعے تین تہذیبوں کا افتراق قلم بند کیا ہے۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس وجہ سے "گراں" نے اکیسویں صدی کے ناولوں میں اپنا ادبی مقام خود بنالیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ نگار سجاد ظہیر، ڈاکٹر، "مطالعہ تہذیب" لاہور، قرطاس، ۱۹۹۳ء، ص:۱۷

۲۔ غلام جیلانی برق، ڈاکٹر، "ہماری عظیم تہذیب"، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلی کیشنز، س ن، ص:۲۰

۳۔ طاہرہ اقبال، ڈاکٹر "گراں" اسلام آباد، دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء، ص:۱۵، ۱۴

۴۔ ایضاً

۵۔ ایضاً، ص:۱۷

۶۔ ایضاً، ص:۱۸

۷۔ ایضاً، ص:۲۶

۸۔ ایضاً، ص:۳۷

۹۔ ایضاً، ص:۴۸

۱۰۔ ایضاً، ص:۵۵

۱۱۔ ایضاً۔ ص:۶۹

۱۲۔ نازیہ پروین، "گراں کا جغرافیائی اور ثقافتی رنگ"، (مضمون) مطبوعہ: ماہنامہ ندائے گل، لاہور، جنوری ۲۰۲۰، ص:۳۵

۱۳۔ طاہرہ اقبال، ڈاکٹر "گراں"، ص:۱۲۴

۱۴۔ ایضاً، ص:۱۶۴

۱۵۔ ایضاً، ص:۱۹۹